بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

50-اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونے کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔اور ہم پہنچے تھے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اس بیان پر: "استواء الله على عرشه" (اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونے کا بیان)۔

شرح میں فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مصنف رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونے کے جو ثبوت بیان کیے ہیں وہ قرآن مجید میں سے سات (7) جگہوں پر موجود ہیں (یعنی ایک آیت نہیں ہے یا ایک موضع یا ایک جگہ نہیں ہے جہاں پر ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے بلکہ یہ سات (7) جگہوں پر مختلف جگہوں پر موجود ہے قرآن مجید میں)۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ کون سی یہ سات (7) جگہیں ہیں اور اس موضوع کے تعلق سے ایک مختصر سی تفصیل بیان کی ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے۔

1-سب سے پہلی آیت یا سب سے پہلی جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ إلي آخر الآية (الاعراف:54)۔

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ﴾ (بے شک تمہارا ربّ اللہ ہے) ﴿الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو) ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ (چھ دنوں میں) ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (پھر عرش پر مستوی ہوا (سبحانہ وتعالیٰ)) آیت کے آخر تک۔

اور یہ شاہد ہے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾: یہ ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔

﴿اللّٰهُ﴾ جو ہے لفظ الجلالہ سبحانہ وتعالیٰ خبر ﴿إِنَّ﴾ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

اور ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾: یعنی عدم سے پیدا کیا" على وجه الإحكام والإتقان "(محکم متقن کی بنیاد پر (اتقان کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو))۔

﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ (چھ دنوں میں): اور یہ جو دن ہیں کیونکہ نکرہ ہیں اور اگر کوئی لفظ نکرہ ہو تو اگر اس کا عرف موجود ہو تو عرف پر اسے لوٹایا جاتا ہے، اور جب ہم دنوں کی بات کرتے ہیں (ایام کی بات کرتے ہیں) تو یہ وہی دن ہیں جو معروف ہیں، اور چھ فرمایا ہے یعنی ہفتے سے لے کر جمعے تک، " الأحد" واحد سے پہلا دن ہفتہ ہے اور جمعہ پھر چھٹا دن ہوتا ہے (یہ وہ دن ہیں)۔

یعنی شیخ صاحب یہ کہہ رہے ہیں ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چھ دنوں میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو یہ کون سے دن ہیں؟ وہی دن ہیں جو ہم جانتے ہیں۔ ہم کون سے دن جانتے ہیں؟ یہ جو ہفتے کے دن ہیں۔

ہفتے کے دن کی ابتداء کس دن سے ہوتی ہے؟ بعض لوگ ہفتہ سبت سمجھتے ہیں، ہفتے کے دن سے نہیں ہوتی وہ اتوار سے ہوتی ہے۔(۱) أحد واحد سے ہے۔(۲) إثنين دو سے ہے۔(۳) پھر ثلاثاء۔(۴) أربعاء۔(۵) خميس۔

اس طریقے سے جمعہ چھٹا دن بنتا ہے، اور "السبت" یہ ساتواں دن ہے۔

توجب ایام نکرہ ہے تو اس سے نکرہ کو لوٹایا جاتا ہے اس چیز پر جو عرف میں معروف ہو۔ عرف میں کون سے دن معروف ہیں؟ یہی دن جو ہفتے کے دن ہیں۔

ان میں سے سات دن ہفتے کے ہوتے ہیں تو کون سے چھ دن ہیں یہ کیسے متعین کریں گے ہم؟ پہلے۔ پہلے سے لے کر گنیں گے ہم چھٹے دن تک، پہلا دن اتوار ہے اور چھٹا دن جو ہے وہ جمعہ ہے۔

اور چار دن (شیخ صاحب فرماتے ہیں) زمین کے لیے اور دو دن آسمان کے لیے جیسا کہ سورۃ فصلت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾: ﴿ثُمَّ﴾ ترتیب کے لیے ہے۔

﴿اسْتَوٰى﴾ کا معنی کیا ہے؟ اس آیت میں (اور آگے بھی شیخ صاحب بیان کریں گے) ﴿اسْتَوٰى﴾ کا معنی ہے "بلند ہوا" ﴿عَلَى﴾۔

اور ﴿الْعَرْشِ﴾ کا کیا معنی ہے؟ ﴿الْعَرْشِ﴾: یہ وہ چھت ہے جو تمام کائنات اور مخلوقات کو محیط ہے، یہ کس چیز سے بنا ہے اس کا مادہ کیا ہے اس چیز کے بارے میں ہم نہیں جانتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی صحیح حدیث میں یا کسی صحیح حدیث کے ذریعے سے ہمیں یہ خبر نہیں ملی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ یہ عرش کس چیز سے بنا ہے، لیکن ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق جو ہے وہ عرش ہے۔

سب سے بڑی مخلوق مخلوقات میں سے عرش ہے اس کی دلیل موجود ہے لیکن کس چیز سے بنا ہے جواب کیا ہے؟ کوئی پوچھے آپ سے کہ عرش کس چیز سے بنا ہے کیا کہیں گے؟ اللہ أعلم۔

عرش کہاں پر ہے؟ اوپر ہے، سب سے اوپر ہے مخلوقات میں سے۔ عرش سے بڑی کوئی اور مخلوق ہے؟ نہیں ہے۔

ان سب چیزوں کی دلیل موجود ہے اس لیے ہم جواب دے رہے ہیں، عرش بنا کس چیز سے ہے ہم کہتے ہیں اللہ أعلم، کیونکہ اس کی دلیل نہیں ہے۔

ایمان بالغیب کے تعلق سے یہی قاعدہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جس چیز کا تعلق ایمان بالغیب سے ہو وہ دلیل کی بنیاد پر بات کی جاتی ہے بغیر دلیل کے کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کوئی بات کرے۔ اور جب ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور کوئی جواب نہیں ہے تو سب سے اچھا جواب کیا ہوتا ہے؟ جس نے پیدا کیا وہی جانتا ہے۔ اس میں اگر کوئی خیر ہوتا بیان کرنے میں تو بیان ہو نہیں جاتا!

یعنی جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے لوگ اس میں الجھ گئے ہیں (ابھی ہم تفصیل بیان کریں گے)۔ اور جس چیز کو منع نہیں کیا ہے اس کی طرف جانے کی ضرورت کیا ہے؟! اگر ضرورت ہوتی بیان کرنے کی تو لازماً اس کی دلیل بھی ہوتی۔

سوال: آپ نے کہا ﴿ثُمَّ﴾ للترتیب: کس لیے ہے؟

جواب: ترتیب کے لیے ہے یعنی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا: ﴿ثُمَّ﴾ ترتیب کے لیے ہے (پھر عرش پر مستوی ہوا)۔

اور میں بتاؤں گا آگے کہ اس کا کیا فائدہ ہے اور کس طریقے سے غلط فہمی لوگوں کو ہوئی ہے اور کیا جوابات دیئے ہیں ان لوگوں نے، سب تفصیل آئے گی بتائیں گے ان شاءاللہ۔

آپ جانتے ہیں کہ ثُمّ جو ہے حرف عطف ہے۔

حروف عطف ثلاثہ ہیں(تین ہیں):(۱)الواؤ۔(۲)والفاء۔(۳)اور ثم۔

واؤ کے حرف میں ترتیب نہیں ہوتی، فاء میں اور ثم میں ترتیب ہوتی ہے۔ فاء اور ثم کی ترتیب میں فرق یہ ہے کہ فاء ترتیب کے ساتھ فوراً تعقیب ہوتی ہے کہ فاء سے پہلے جو ہے وہ پہلے ہے، فاء کے بعد اُس کے فوراً بعد، اور ثم جو ہے ترتیب کے ساتھ ایک وقت تاخیر بھی ہوتی ہے(ایک وقت کا ہونا لازمی ہے تھوڑا سا وقت ہوتا ہے)۔

یعنی:"جاء محمد وخالد" (محمد اور خالد دونوں آئے)۔اب پہلے کون آیا؟ خالد بھی ہو سکتا ہے محمد بھی ہو سکتا ہے۔

"جاء محمد فخالد":"جاء محمدٌ فخالدٌ": پہلے کون آیا؟ محمد۔

"جاء محمد ثُم خالد": یا"جاء محمدٌ ثُم خالدٌ": بعد میں کون آیا؟ خالد۔ فوراً آیا؟ کچھ دیر کے بعد آیا۔

عرش: یہ تو ہمیں پتہ ہے کہ تمام مخلوقات کو محیط ہے لیکن عرش کا معنی کیا ہے؟ عرش کا معنی جو ہے عرش کہتے ہیں تخت کو اور خصوصی طور پر جو بادشاہ کا تخت ہوتا ہے، اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ بادشاہ کا تخت جو ہے وہ عام تخت نہیں ہوتا بلکہ بہت ہی عظیم ہوتا ہے(یعنی جتنا بڑا بادشاہ ہو گا اس کا تخت بھی اتنا ہی بڑا ہو گا)۔

اور اس آیت کریمہ میں شیخ صاحب فرماتے ہیں مختلف اور کئی صفات بیان کی ہیں لیکن شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ایک ہی صفت کے لیے اس آیت کو بیان فرمایا ہے اور وہ ہے:"صفة الإستواء عَلَى الْعَرْش":اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی صفت کو بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے۔

اب یہ تو ایک تمہید تھی، اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اس کی قرآن مجید میں سات(7) مختلف جگہوں پر دلیل موجود ہے ،اب ہم دیکھیں گے کون سی سات(7) آیات ہیں، اور یاد بھی کرنا ہے۔ میں یہ بتاؤں گا کہ سب سے اہم کون سی ہے آخر میں ان شاءاللہ یاد کرنے کے لیے جس کو آپ سارے یاد کر لیں۔

طالب علم کو چاہیے کہ ساری یاد کریں، لیکن ان سات(7) میں سے اگر آپ نے صرف ایک کرنی ہے تو وہ کون سی ہے میں بتاؤں گا آپ کو وجہ بھی بتاؤں گا کہ علماء کس طریقے سے فرماتے ہیں کہ طالب علم کے لیے وہ کون سی دلیل زیادہ

قوی ہوتی ہے یاد کرنے کے لیے اور پھر ان کے جو مخالفین ہیں ان کی مخالفت جب زیادہ زور پکڑ لیتی ہے تو ان کو لاجواب کرنے کے لیے آپ کے پاس بھی اُتنی ہی مضبوط اور ٹھوس دلیل ہونی چاہیے۔

یہ تو عرش کے تعلق سے اور استواء (استویٰ) کے تعلق سے چند اہم باتیں تھیں، اب آتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے تعلق سے، اور اہل بدعت نے مخالفین نے کیا عقیدہ رکھا ہوا ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اہل سنت والجماعت کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے مخلوقات کی استواء (استویٰ) کی مماثلت کے بغیر۔

یعنی مخلوق بھی عرش پر مستوی ہوتی ہے بادشاہ بھی تخت پر بیٹھتا ہے کہ نہیں بیٹھتا (دنیا کا بادشاہ)؟ بیٹھتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا ہے، اِس میں کوئی مماثلت نہیں ہے ناممکن ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی اسماء وصفات ہیں اللہ تعالیٰ کے اُن پر ہمارا ایمان ہے چار شرطوں کے ساتھ، ہمیشہ یہی کہتے ہیں نا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اسماء وصفات کے باب میں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وہ نام اور ہر وہ صفت جو قرآن مجید اور صحیح حدیث میں موجود ہے اُن سب پر ہمارا ایمان ہے ان چار شرطوں کے ساتھ۔ کون سی چار شرطیں ہیں؟

(۱) ''من غير تعطيل'': ہم انکار نہیں کریں گے کیونکہ دلیل موجود ہے۔

(۲) ''من غير تحريف'': ہم تحریف نہیں کریں گے۔

(۳) ''من غير تكييف'': ہم کیفیت بیان نہیں کریں گے کہ صفت ہے تو کیسی ہے، یا نام ہے تو کیسا ہے۔

(۴) ''من غير تمثيل'': مماثلت بیان نہیں کریں گے۔

اور یہاں پر عرش پر مستوی ہونے سے مماثلت ناممکن ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ:11): اللہ تعالیٰ نے پہلے مماثلت کی نفی کی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء وصفات کو ثابت کیا ہے۔

تو ہمارا ایمان ہے (اہل سنت والجماعت کا ایمان ہے) کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے مخلوقات کے عرش پر مستوی ہونے سے بالکل الگ ہے اور مماثلت ناممکن ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں(شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اگر آپ یہ سوال کریں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک استواء کا معنی کیا ہے؟''العلو والإستقرار'' (یہ دو معنی ہیں: بلند ہونا، اور مستقر ہونا(العلو والإستقرار یہ معنی ہے))، اور سلف سے جو ثابت ہے۔

جب ہم سلف کی بات کرتے ہیں پہلے سب سے بہترین تین زمانوں کے جو امام تھے اُن کی ہم بات کرتے ہیں، اور ان آیات کی تفسیر جب اُٹھا کر آپ دیکھتے ہیں، وہ تفاسیر جن میں سلف کے اقوال موجود ہیں(جیسے ابن جریر الطبری ہے اور ابن کثیر کی تفسیر) تو اس میں آپ کو پتہ چلتا ہے کہ سلف نے جب ان آیات کی تفسیر کی ہے اور معنی بیان کیا ہے جن آیات میں ''الإستواء عَلَى الْعَرْش'' کا ذکر ہے تو یہ چار معنی سامنے آئے ہیں: (۱) پہلا معنی ہے ''علا''۔(۲) دوسرا ہے ''ارتفع''۔(۳) تیسرا ہے ''صعد''۔(۴) اور چوتھا ہے ''استقر''۔

تین مختلف لفظوں کا ایک معنی ہے اور چوتھے کا الگ معنی ہے: پہلے تین جو ہیں ''(علا) و (ارتفع) و (صعد)'' کا ایک معنی ہے (بلند ہوا، اوپر کی طرف ہوا) یعنی بلندی اور اوپر ہونے کا معنی موجود ہے: اور جو چوتھا معنی ہے وہ (استقر) کا ہے۔

دلیل کیا ہے یعنی سلف نے یہ چار مختلف الفاظ کیوں بیان کیے ہیں؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اُن کی دلیل ان الفاظ میں یہ ہے کہ عربی زبان میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جب استواء(استویٰ) کا لفظ عَلَى کے ساتھ بیان ہو تو پھر یہی چار معنی سامنے آتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، یہ سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾إلي آخر الآية((یعنی سیدنا نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) پس آپ جب مستوی ہو جائیں آپ اور جو آپ کے ساتھ ہیں کشتی پر)(المؤمنون:28)۔ اب استواء کا لفظ بھی ہے ﴿اسْتَوَيْتَ﴾، اور ﴿عَلَى﴾ کا حرف بھی ہے تو اس سے کیا معنی ہوتا ہے؟ کشتی کے اوپر مستقر ہو۔

اور دوسری آیت سورۃ الزخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ﴾إلي آخر الآية(الزخرف:12-13)۔

اس میں آپ دیکھیں ﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ﴾: یہ جانور پر سوار ہوتے ہیں ہم، پیٹھ پر سوا ہوتے ہیں، استواء کا لفظ بھی ہے، عَلَی کا لفظ بھی ہے، اور ظھر بھی ہے: تو اس کے اوپر بلند ہو کر بیٹھنا مقصد ہوتا ہے۔

تو یہ معنی عربی لغت میں موجود ہیں اِن ہی معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے سلف نے یہ تفسیر کی ہے کہ جب استواء کا لفظ عَلَی کے ساتھ ہو تو اس کا معنی بلندی اور قرار پانے کا ہوتا ہے۔

دوسری طرف جو اہل التعطیل ہیں (اہل باطل اہل بدعت جو ہیں) انہوں نے کیا تفسیر کی ہے؟

انہوں نے کہا کہ استواء کا معنی ہے "استولی" (استیلاء کا معنی)، یعنی ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الاعراف:54): یعنی "استولی عَلَی الْعَرْش": اور استولی یعنی قابض ہوا (قبضے میں لینا)۔

اچھا تمہاری دلیل کیا ہے؟ ان کے پاس دو دلیلیں ہیں (کہتے ہیں ہمارے پاس ایک نہیں دو دلیلیں ہیں): پہلی دلیل جو ہے مثبت ہے، اور دوسری منفی ہے۔ مثبت یعنی موجود ہے، اور منفی یعنی موجود نہیں ہے اس لیے ہمارا قول جو ہے وہ زیادہ قوی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اُن کے دلائل کیا ہیں اُن کا جواب کیا ہے۔

اُن کی پہلی دلیل جو ہے "اہل التعطیل" انکار کرنے والوں کی انہوں نے کیا کہا ہے؟ اہل سنت والجماعت جو ہیں جب ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر پہلی شرط کیا بیان کی تھی؟ "من غیر تعطیل": یعنی اہل التعطیل موجود ہیں اس لیے ہم نے کہا ہے "من غیر تعطیل"، اور تعطیل کہتے ہیں چھوڑنے کو، انکار کرنے کو۔

اب اہل التعطیل جو ہیں وہ موجود ہیں اس لیے ہم نے کہا "من غیر تعطیل" اُن کی مخالفت کرتے ہوئے، اگر وہ نہ کرتے تو ہم بھی نہ کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ باتیں کہاں سے آئی ہیں؟ یہ پھر کہتے ہیں: بڑے پیچیدہ مسائل ہیں۔ مسائل کوئی پیچیدہ نہیں ہیں واللہ بڑے سِمپَل سے سیدھے سے ہیں۔

یعنی چھوٹی سی بات دیکھیں آپ کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام پر، اُمی ہیں، اور اکثر صحابہ بھی اُمی ہیں، اور اُمی اور جاہل میں فرق ہے یاد رکھنا میں بار بار کہتا ہوں: اُمی اَن پڑھ کو کہتے ہیں، جاہل بغیر علم والے کو کہتے ہیں۔ اُمی سب سے بڑا عالم ہو سکتا ہے لیکن جاہل کبھی عالم نہیں ہو سکتا۔ فرق سمجھ آگیا؟

آپ یہ دیکھیں کہ اکثر جو ہیں وہ مزدوری کرنے والے ہیں، بکریاں چرانے والے ہیں، سننے والے ہیں (اُس زمانے کی بات میں کر رہا ہوں) اور اُمی ہیں پڑھے لکھے نہیں ہیں، لیکن دل والے ہیں عقل والے ہیں، سمجھ والے ہیں، جینئس (Genius) قسم کے لوگ ہیں اور بڑے محنتی ہیں، دین سے محبت ہے اور دلی محبت ہے (اور مسلمان کو ایسا ہونا چاہیے)۔

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں: ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ (طٰہٰ:5) کسی صحابی نے کوئی سوال اٹھ کر کیا یا گزارش کی معنیٰ کیا ہے استواء کا؟ وعلی استواء کیسے ہم کر سکتے ہیں؟ وہ تو بادشاہ بھی تخت پر بیٹھتے ہیں یہ تو مماثلت لازم آتی ہے!

آگے بتاؤں گا کہ یہ لوگ کتنی دور تک چلے گئے ہیں آگے آئے گا ان شاءاللہ میں صرف تمہید کے لیے بتا رہا ہوں کہ بعض لوگ سمجھیں گے کہ کتنی مشکل باتیں ہو رہی ہیں! باتیں بالکل آسان ہیں، اگر یہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے اور بدعقیدگی نہ رکھتے تو آج ہم بھی یہ تفصیل نہ بیان کرتے بھائی! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ ہم نے کہا آمنا وصدقنا، بات ختم ہو گئی (جیسا کہ صحابہ اور سلف نے)۔

جب ان صحابہ نے اپنے شاگردوں تابعین کو یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں اُن سے کسی نے سوال کیا؟ جب تابعین نے اتباع التابعین کو پڑھ کر سنائیں اُن میں سے کسی نے سوال کیا؟ کیوں نہیں سوال کیا مجھے بتائیں؟ یا تو وہ جانتے نہیں تھے اور جاہل تھے (نعوذ باللہ)، جو کہ ناممکن ہے! اُن ہی سے ہم نے سیکھا ہے سب، یا وہ ہم سب سے اچھا جانتے تھے اس لیے انہوں نے سوال کیا نہیں ہے۔

آپ سوال کب کرتے ہیں؟ اگر واقعی آپ اچھے طالب علم ہیں۔ دیکھیں ایک تو ویسے ہی آتے ہیں وقت گزارنے کے لیے (میں علم کی عام بات کر رہا ہوں کہ چلو ساتھی جہاں پر ہیں چلے جاتے ہیں)، وہ بیٹھا موبائل میں لگا رہتا ہے یا سَر کھجاتا رہتا ہے اس کو پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے وہ پوچھے گا سوال کوئی؟! دلچسپی نہیں ہے تو کیا پوچھے گا وہ؟! طالب علم ہے ہی نہیں کیا پوچھے گا وہ؟!

لیکن جو طالب علم ہے اور علم کا شیدائی بھی ہے اور دل سے علم طلب کرنا چاہتا ہے اگر اس کو کوئی چیز سمجھ نہیں آتی تو وہ پوچھے گا کہ نہیں پوچھے گا؟ اگر نہیں پوچھے گا تو ناانصافی ہے کہ نہیں اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ؟

توسلف میں سے کسی نے سوال کیوں نہیں پوچھا یہ؟ اچھا جب جس نے سوال پوچھا اس کو جواب کیا ملا؟ دیکھیں نا سلف میں سے کسی نے پوچھا؟!

امام مالک رحمہ اللہ درس دے رہے ہیں اور یہی آیت سامنے ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ تو کسی شخص نے کہا: امام صاحب "کیف استوی؟" (کیسے مستوی ہوا؟)، امام صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر غصہ طاری ہوا رنگت بھی تبدیل ہوئی، پھر تاریخی جملے بیان کیے ہیں تاریخ میں لکھے گئے ہیں (سبحان اللہ) عام جملے نہیں تھے، فرمایا: "الإستواء معلوم، والكيف مجهول، والإيمان به واجب ، والسؤال عنه بدعة"۔ یہ چار جملے ہیں بس: استواء کا معنی تو معلوم ہے (یعنی کوئی خلل ہے اس کے اندر جو پوچھ رہا ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی نے پوچھا نہیں ہے پوچھ رہا ہے تو کوئی خلل ہے! کیونکہ عام سیدھا سا بندہ نہیں پوچھتا یہ سوال کیونکہ بات ہی بالکل واضح ہے اب یہ پوچھ رہا ہے تو کوئی گڑبڑ ضرور ہے)۔

"الإستواء معلوم" (معنی تو معلوم ہے استواء کا)۔ معلوم کیوں ہے؟ دلیل موجود ہے عربی زبان میں ہے اور تم بھی عربی ہو (امام مالک عربی خود عربی میں بیان کر رہے ہیں اور سننے والا بھی عربی ہے تو پتہ ہے تمہیں استواء کا معنی کیا ہے)۔

"والكيف مجهول": اس کی دلیل ہی کوئی نہیں ہے کیفیت کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ لیکن یہ بیان نہیں فرمایا "کیف استوی؟" اس کی دلیل موجود نہیں ہے۔

"والإيمان به واجب": ایمان واجب ہے کیونکہ دلیل موجود ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"والسؤال عنه بدعة": کیفیت کا سوال کرنا بدعت ہے۔

یعنی سُنّی کبھی سوال کر نہیں سکتا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یعنی سلف جو پہلے تھے امام مالک کے زمانے میں اور بعد میں جو آئے ہیں اُن کی اتباع کرنے والے "باحسان" انہوں نے کبھی یہ سوال نہیں کیا جس نے سوال کیا کیا جواب دیا؟ "والسؤال عنه بدعة"۔ اور آگے پھر راوی کہتا ہے امام مالک (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اسے میری مجلس سے نکال دو۔

تو اس شخص نے کہا کہ میں نے نہیں کہا کسی اور نے کہا ہے، امام صاحب نے کہا میں نے تم سے سنا ہے تم نے کہا ہے (جس نے کہا ہے اسے کہنے دیتے)۔

یعنی یہ بات نقل کرنا بھی جرم سمجھا جاتا تھا کیوں؟ بُرائی کیسے پھیلتی ہے؟ پھیلنے سے پھیلتی ہے نا، کوئی پھیلاتا ہے تو پھیلتی ہے،اس لیے بُرائی کو پھیلایا نہیں جاتا اسے دبایا جاتا ہے (جب بدبو آتی ہے نا تو اسے دبایا جاتا ہے اسے پھیلایا نہیں جاتا)۔ اور کتنی سختی تھی اُس زمانے میں بدعت اور اہل بدعت پر کہ جب وہ کہتا ہے میں نے کہا کسی اور نے کہا ہے، کہتے ہیں میں نے تم سے سنا ہے اور نکال دیا اپنی مجلس سے اُٹھا دیا تاکہ اس کا جو زہر ہے یا اس کی جو غلط فہمی ہے یا جو گندگی ہے وہ کسی اور کی طرف نہ پھیلے، یہ سنت کے محافظ تھے اور آج بھی ہیں الحمد للہ (کم ہیں لیکن ہیں الحمد للہ)۔

اب اہل بدعت کہتے ہیں (اہل التعطیل) جنہوں نے انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہیں ہے، اور عام جملہ جو ہم اکثر سنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ کہتے ہیں ہر جگہ موجود ہے۔ اور یہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اہل التعطیل میں سے ہیں جو انکار کرنے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہیں ہے، کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے عرش پر بھی ہے فرش پر بھی ہے!

اور ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے فرش پر نہیں ہے۔ ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ﴾ یا "عَلَي الفرش استويٰ ؟ "۔ عرش ہے واضح ہے نا تو فرش کہاں سے بیچ میں آگیا؟!

تو آیئے دیکھتے ہیں کہ اُن لوگوں نے کیوں کہا ہے کیا دلیل ہے اُن کے پاس؟

1- پہلی دلیل (آگے بھی تفصیل آئے گی صفۃ العلو اگلا باب جو ہے اگلا درس جو ہے اس میں آئے گا صفۃ العلو کو الگ سے بیان کیا گیا ہے لیکن عرش کے تعلق سے یہ چند اہم باتیں) کہتے ہیں: "جو دلیل موجب ہے ہمارے پاس جو پہلی دلیل ہے ہمارے پاس ایک شاعر کا قول ہے"۔

یہ فرق دیکھیں اہل سنت والجماعت کہتے ہیں "قال اللہ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اور سات آیتیں ہیں میں نے بیان کی ہیں ابھی ہم پہلی آیت پر بات کر رہے ہیں چھ ابھی آئیں گی آگے، تفصیل پہلی آیت میں شیخ صاحب نے بیان کی ہے تاکہ آگے آسانی ہو جائے۔ ہمیشہ یہی نور آپ کو نظر آئے گا، اہل سنت والجماعت جب بھی بات کریں گے "قال اللہ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم": اہل بدعت جب بات کریں گے یا تو عقل ہو گی، یا منطق ہو گا، یا شعر و شاعری ہو گی، یا اس طریقے سے اور کوئی چیزیں ہوں گی۔

کہتے ہیں: "ہمارے پاس شعر ہے عربی زبان کا"۔ اچھا دیکھو شعر و شاعری کی بات کیوں کرتے ہو؟ کیونکہ عربی زبان قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے کس بنیاد پر قائم تھی؟ لوگوں کی زبان پر جو تلفظ تھا۔ اُن میں سب سے زیادہ ایلیٹ (Elite) درجہ کس کا تھا بڑا؟ شاعروں کا تھا جو شعر و شاعری کرتے تھے۔

تو عربی لغت میں شعر کی طرف بھی جایا جاتا ہے دلیل کے طور پر لیکن کب؟ جب نص موجود نہ ہو نا! جب آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے قرآن اور سنت میں اور آپ لغت کا معنی لینا چاہتے ہیں تو آپ پھر کسی عربی شاعر کی بات لے کر آتے ہیں، کہتے ہیں لغتاً: (لغت کے اعتبار سے (شرعاً نہیں) یا لغت میں یہ معنی بھی لیا گیا ہے عربی زبان میں)۔

تو اُن لوگوں نے عربی زبان کا معنی لیا ہے قرآن اور سنت کو چھوڑ کر اور معنی لیا ہے۔

اچھا دیکھیں ذرا شعر دیکھیں کیونکہ اس کی تفصیل بھی بیان کرتے ہیں۔

کہتے ہیں ایک شاعر کا شعر ہے "قد استوى بشر على العراق ، من غير سيف أو دم مهراق": اس میں لفظ "استوى" ہے اور "على" بھی ہے "قد استوى بشر على العراق ، من غير سيف أو دم مهراق": بشر جو ہے یہ عراق پر قابض ہوا، بغیر تلوار کے اور بغیر خونریزی کے۔

"سيف": (تلوار ہے) اور "دم مهراق": ((مہراق جو ہے وہ خونریزی ہے) بغیر خونریزی کے)۔

تو وہ کہتے ہیں: "بشر بن مروان جو ہے عراق پر قابض ہوا اور لفظ استویٰ ہے تو استویٰ قابض کو کہتے ہیں عربی زبان میں یہ ثابت ہو گیا ہے"۔

اور کہتے ہیں: "یہ جو شعر ہے یہ ایک عربی شخص کا ہے اور اس سے یہی مراد لفظ استویٰ کا ہے جیسے بیان کیا ہے اور اُس زمانے میں کیونکہ جہاز وغیرہ نہیں تھے تو اس لیے یہ معنی جو تم بیان کرتے ہو درست نہیں ہے اس کا مطلب معنی جو ہے قابض ہونا ہے"۔ یہ اُن کے پاس دلیل ہے موجب دلیل!

جو سلبی دلیل ہے (جو منفی دلیل ہے) انہوں نے کہا ہے (اہل التعطیل اہل باطل نے): "اگر ہم یہ ثابت کر لیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو ہیں اللہ عزّ و جلّ جو ہے عرش پر مستوی ہے اُس معنی سے جو تم کہتے ہو یعنی عرش پر مستوی ہوا (یعنی بلند ہوا اور قرار پایا ہے)" "وهو العلو والإستقرار، لزم من ذلك أن يكون محتاجاً إلى العرش": تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ عرش کا محتاج ہے، اور یہ مستحیل ہے ناممکن ہے، اور ناممکن کا ہونا دلالت کرتا ہے کہ جو تم نے معنی لیا ہے وہ بھی ناممکن ہے کہ جو محال ہے اس کا وجود بھی محال ہو جاتا ہے اس کا لازم بھی ملزوم بھی محال ہوتا ہے"۔

تو یہ پہلا لازم جو ہے، اب جو منفی دلیل ہے اُن کے پاس یہ ہے "کہ ممکن نہیں ہے جو معنی تم لوگوں نے لیا ہے وہ ٹھیک ہو کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، یا یہ لازم آتا ہے، یہ لازم آتا ہے": تین انہوں نے لوازم بیان کیے ہیں جو ہماری نظر میں لوازم باطلہ ہیں (اہل سنت والجماعت کی نظر میں یہ تینوں)۔

(۱) سب سے پہلے انہوں نے کہا ہے: "اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے"۔

(۲) دوسرا لازم کہتے ہیں: "اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے (نعوذ باللہ) کیونکہ جب کوئی چیز کسی چیز پر مستوی ہوتی ہے اُس سے اوپر ہوتی ہے بلند ہوتی ہے (یعنی ایک جسم دوسرے جسم پر ہی ممکن ہوتا ہے اس کے بغیر ممکن نہیں ہوتا) تو اس سے جسم لازم آتا ہے"۔

(۳) اور تیسرا جو لازم ہے وہ یہ ہے: "حد لازم آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے ایک خاص جگہ پر جیسا کہ کوئی شخص ہم کہتے ہیں کہ اونٹ کے اوپر ہے اونٹ پر مستوی ہے، تو وہ خاص جگہ متعین ہو جاتی ہے اور محصور ہو جاتی ہے کہ اس جگہ پر ہے کسی اور جگہ پر نہیں ہے اور اس سے حد لازم آتی ہے"۔

تو وہ کہتے ہیں: "کہ یہ تین لازم باتیں ہیں جو آپ کے معنی سے لازم ہوتی ہیں، استواء کا معنی اگر بلند ہونا ہے اور قرار پانا ہے تو اس معنی سے یہ تین چیزیں لازم آتی ہیں: (۱) پہلی چیز جو ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے، اور یہ محال ہے ممکن نہیں ہے۔ (۲) دوسری چیز کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے، یہ بھی محال ہے ناممکن ہے۔ (۳) اور تیسری چیز جو لازم آتی ہے کہ حد کا ہونا کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے، یہ بھی محال ہے۔ اس لیے تمہارا معنی ہے ہی غلط جو تم لوگوں نے لیا ہے"۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ان کا ردّ جو ہے مختلف طریقوں سے:

1- پہلا طریقہ جواب کا جو ہے کہ تمہاری تفسیر جو ہے جو تم نے لی ہے یہ سلف کی تفسیر سے بالکل مخالف ہے جس پر اُن کا اجماع ہے۔

سب سے پہلا جواب کیا ہے؟ یہ جو معنی تم لوگوں نے استویٰ کا لیا ہے "کہ استولیٰ ہے قابض ہوا ہے" یہ سلف کے معنی سے اور تفسیر سے بالکل مخالفت کرتا ہے بالکل مخالف ہے بلکہ سلف کے اجماع کے مخالف ہے، جو معنی سلف نے لیا ہے

جس پر اُن کا اجماع ہے استویٰ کا معنی ہے (بلند ہوا اور قرار پایا) یہ جو معنی سلف نے لیا ہے یہ حق ہے، جو معنی تم لوگوں نے لیا ہے وہ اس معنی کے مخالف ہے جس پر سلف کا اجماع ہے۔

تو پہلا جواب یہ ہے کہ تم لوگوں نے سلف کے معنی کی مخالفت کی ہے جن پر اُن کا اجماع تھا(اجماع کی مخالفت کی ہے)۔

دلیل کیا ہے کہ سلف کا اس میں اجماع ہے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں دلیل یہ ہے کہ سلف سے اس کے علاوہ کوئی اور معنی نقل نہیں ہوا، کوئی موجود ہی نہیں ہے، اگر کوئی اور معنی ہوتا جو انہوں نے لیا ہوتا ظاہر کے علاوہ جو معنی ہے تو وہ اس معنی کو بیان بھی کرتے اور آج ہمارے پاس موجود بھی ہوتا، اُن میں سے کسی نے ایک نے بھی نہیں کہا کہ استویٰ کا معنی ہے "استولیٰ" (یا قابض ہوا)، اگر ہے تو ہمیں دکھادیں۔

یعنی صحابہ میں سے کسی کا دکھادیں، تابعین میں سے کسی کا دکھادیں، "آئمہ" چار اماموں میں سے، آئمہ محدثین میں سے امام مالک سے دکھادیں، امام ابو حنیفہ سے دکھادیں، امام بخاری سے دکھادیں، کسی سے دکھادیں آپ اُن میں سے کسی ایک نے کہا ہے کہ استویٰ کا معنی استولیٰ ہے؟!

اس لیے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کس طرف گئے؟ شعر کی طرف جانا پڑا اُن کو عربی شاعر کی طرف جانا پڑا! اگر سلف میں سے کسی کی دلیل موجود ہوتی اُن کے پاس وہ قول نہ لے کر آتے! تو وہ یہی ثبوت دے رہے ہیں کہ واقعی سلف سے اس کے علاوہ ثابت نہیں ہے (یہ پہلی بات ہے)۔

2-دوسری بات، دوسرا جواب یہ ہے: یہ معنی جو تم لوگوں نے لیا ہے کہ استویٰ کا معنی استولیٰ ہے (قابض ہوا ہے) یہ ظاہر لفظ کے بھی مخالف ہے (جو لفظ ظاہر ہے اس کے بھی مخالف ہے) کیونکہ استویٰ کا لفظ جو ہے جب "(علی)" کے ساتھ بیان ہوتا ہے تو اس کا معنی بلندی ہوتا ہے اور استقرار ہوتا ہے، یہ ظاہر اللفظ ہے اس کا معنی یہی ہے اور یہ قرآن مجید اور عربی زبان کا جو کلام ہے موجود ہے۔

عربی زبان میں اور قرآن مجید میں یہی معنی ثابت ہوا ہے کہ استویٰ کے ساتھ جب عَلَی کا لفظ ہو تو یہی معنی لازم آتا ہے، یہی معنی ہے کہ بلند ہوا اور قرار پایا ہے، استولیٰ کا تو کہیں پر ذکر ہی نہیں ہے اور ممکن بھی نہیں ہے (تو یہ دوسرا جواب ہے)۔

پہلا جواب کیا تھا؟ سلف کے اجماع کے مخالف ہے۔ دوسرا جواب: ظاہر لفظ کے بھی مخالف ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی آپ ایڈ (Add) کر سکتے ہیں کہ ظاہر لفظ ہی مقصد مراد ہے کوئی اور نہیں ہے۔

اگر استوی کا معنی استولی ہوتا تو صحابہ سب سے پہلے سوال کرتے میں پہلے عرض کر چکا ہوں، جب ظاہر وہی ہے جو آپ کے سامنے لفظ ہے اگر اس کے علاوہ کوئی اور معنی لازم آتا تو صحابہ سب سے پہلے پوچھتے کہ اچھا یہ معنی یہ ہے نا یہاں پر استولی ہے نا؟ جب یہ معنی ہے ہی نہیں، جب عَلَی کے ساتھ ہو نہ عربی لغت میں ہے اور نہ ہی قرآن مجید میں ہے تو اس لیے صحابہ نے پوچھا ہی نہیں ہے۔

اور تابعین نے صحابہ سے اس لیے نہیں پوچھا کہ وہ بھی جانتے تھے کہ یہی معنی ہے۔

3- تیسرا جواب جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: اس سے لوازم باطلہ لازم آتے ہیں تمہارے اس معنی سے جو معنی تم لوگوں نے استولی کا لیا ہے کہ قابض ہوا (کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قابض ہوا، استولی کا یہی معنی ہے نا) اس پر کئی لوازم باطلہ ہیں (یعنی اس قول سے یہ باطل بات بھی لازآتی ہے اسے کہتے ہیں لوازم باطلہ):

(۱) سب سے پہلی بات کہ اس کا مطلب یہ ہے یا اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا عرش پر قابض نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ﴾(الاعراف:54): ﴿ثُمَّ﴾ ترتیب کے لیے ہے، تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے عرش جو ہے غیر اللہ کے لیے تھا (یعنی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں بھی نہیں تھا کسی اور کے قبضے میں تھا)۔

(۲) دوسرا جو ہے کہ جو غالب ہے کلمہ "استولی" سے یہ مغالبے کے بعد ممکن ہوتا ہے کہ جب کسی کا غلبہ ہوتا ہے پھر وہی قابض ہوتا ہے نا اور بغیر غلبے کے قابض ہوتا ہی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ پر کون غالب آسکتا ہے؟! کوئی آسکتا ہے؟! یہ دوسرا لازم جو باطل لازم ہے۔

(۳) اس بات سے یہ بھی لازم آتا ہے ہم اگر یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قابض ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ زمین پر، اور درختوں پر، پہاڑوں پر بھی اللہ تعالیٰ قابض ہوا۔

استويٰ اگر آپ یہی لیتے ہیں "استوی علی الأرض،استوی علی عرش" بھی آپ لیتے ہیں تو کیا عرش کا معنی استولیٰ ہے (قابض ہوا ہے) تو تمہاری بات سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے عرش پر قابض ہوا اسی طریقے سے زمین پر بھی ،اور درختوں پر بھی،اور پہاڑوں پر بھی اللہ تعالیٰ قابض ہوا کیونکہ "لأنه مستولٍ عليها" (یہ تمام جو لوازمات ہیں باطلہ ہیں) ،اور قاعدہ یہ ہے کہ "بطلان اللازم يدل على بطلان الملزوم" (جب لازم باطل ہے تو ملزوم بھی باطل ہی ہوتا ہے)۔

پہلے تو جو دلیل منفی تھی اس کا جواب دے دیا مثبت دلیل کا کیا جواب ہے جو شعر انہوں نے پیش کیا؟

(۱) شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ ثابت کریں کہ شعر جو ہے یہ کس کا ہے اس کی سند ہمیں دکھائیں۔

اور بڑی پیاری بات ہے یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے سامنے جب یہ شعر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم حدیث نہیں لیتے بغیر سند کے۔

کوئی حدیث بیان کر دے کہہ دے یہ حدیث ہے مان لیں گے ہم حدیث ہے یا سند دیکھتے ہیں؟ کیونکہ دینی مسئلہ آپ ثابت کر رہے ہیں نا،جب دین کے لیے آپ کوئی چیز ثابت کرنا چاہیں تو دلیل لے کر آتے ہیں،دلیل جب حدیث بھی ہوتی ہے تو ہم تب بھی سند دیکھتے ہیں اور پھر فیصلہ کرتے ہیں صحیح ہے کہ نہیں،لینا ہے کہ نہیں لینا۔

آپ ایک شعر لے کر آئے ہیں کسی شاعر کا بغیر سند کے بغیر کسی ثبوت کے اور آپ چاہتے ہیں کہ ہم اس کی بنیاد پر ایک اپنا عقیدہ بنا لیں! کوئی فروعی مسئلہ بھی نہیں ہے لیکن دین کے سارے مسائل عظیم مسائل ہیں۔ چاہے طہارت کے مسائل ہی کیوں نہ ہوں دلیل کا ہونا لازمی ہے کہ نہیں؟ طہارت کے مسئلے کے لیے بھی استنجے کے لیے بھی دلیل کا ہونا لازمی ہے اور آپ بات کر رہے ہیں عرش پر مستوی ہونے کی اور ایک شاعر کا شعر لے کر آتے ہیں اور بغیر سند کے لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں مان لو اسے!

تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس کی سند دکھائیں ہمیں،اور یہ بھی ثابت کریں کہ تمام اس کے رجال رجال الثقات ہیں، اور یہ کس کی طرف منسوب ہے یہ بھی ثابت کریں،پھر ہم دیکھیں گے کہ یہ شعر واقعی ثابت ہے کہ نہیں۔

پہلے ثابت تو کریں پہلی بات یہ ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ہے کس کا؟! کس نے کہا ہے جب بندہ مجہول ہے؟!

اچھا یہ جاننا لازمی ہے کہ کس نے کہا ہے؟ کیوں لازمی ہے پتہ ہے؟ بڑی پیاری بات ہے پتے کی بات ہے کہ ہو سکتا ہے کہنے والا عربی ہو ہی نہیں۔ آپ عربی شعر کی بات کر رہے ہیں نا!

میں نے کہا نا کہ عربی زبان کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید سے پہلے اور قرآن مجید کے بعد میں بھی اگر کسی لفظ کا معنی میں تنازع ہو جائے تو قرآن مجید سے پہلے تو عربی شعر کی طرف چلے جاتے تھے، قرآن مجید کے بعد قرآن مجید کی طرف واپس لوٹتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حق ہے۔

بعض چیزوں کا جو معنی ہے دیکھنا پڑتا ہے جب قرآن مجید میں اگر وہ لفظ موجود نہیں ہے۔ تو اس لفظ کو کہاں دیکھتے ہیں پھر؟ عربی شعر و شاعری میں دیکھتے ہیں نا کہ کہاں پر ہمیں ملے گا اس کا کیا معنی ہے، کیونکہ یہ زبان قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے بھی بولی جاتی تھی جیسا کہ عام زبانیں بولی جاتی ہیں، تو قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اس زبان کو چار چاند لگ گئے اور اس کے اصول بھی متعین ہو گئے۔ پہلے سکٹرڈ (Scattered) تھے سارے قرآن مجید نے سب کو جمع کر دیا اور سب رجوع کرتے ہیں قرآن مجید کی طرف (سبحان اللہ)، یعنی اور یہ چیلنج ہے!

تو یہ سوال ہے کہ ہے کس کا یہ شعر سند تو ہے نہیں اس کی؟ اور آپ نے یہ ثابت کرنا ہے کہ عربی لغت میں سے آپ یہ لفظ ثابت کریں کہ استویٰ کا معنی استولیٰ ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ہے کس کا؟ (نہ تو تمہارے پاس سند ہے دوسری بات ہے کہ ہے کس کا؟) ہو سکتا ہے کہ کسی عرب کا نہ ہو، یا ایسے عربی کا ہو جس نے عجم کے ساتھ مل کر اُن کی زبان میں سے کوئی لفظ لے لیا ہو۔ کیونکہ جب فتوحات عام ہوئیں اور بہت سارے عجم ملک بھی اسلام میں داخل ہوئے تو عرب اور عجم ایک ساتھ مل گئے زبان میں فرق پڑا کہ نہ پڑا؟

ابھی دیکھیں آپ جو زبانیں موجود ہیں کہیں پر آپ کو جو اصل عربی زبان ہے ملتی ہے کہیں پر آپ کو؟ یہ زبان اس زمانے میں بولی جاتی تھی ایک زبان تھی، آہستہ آہستہ لوگ جب اسلام میں داخل ہوتے گئے اپنا ایکسنٹ (Accent) ساتھ لیتے آئے اور اپنا بولنے کا طریقہ بھی لیتے آئے، اور عجم جب عربی بولتے تو اس میں سے کچھ توڑ پھوڑ کر بولتے کچھ الفاظ بھی داخل کر دیئے۔

ابھی تو آپ دیکھ لیں کہ بہت سارے الفاظ عربی کے جو ہیں انہیں انگلش میں بھی ابھی شروع کر دیا ہے اکثر لوگوں نے،

انگلش شامل کر دی ہے۔اب دیکھیں ہماری اگلی جنریشنز (Generations) میں کیا ہو گا؟!(اللہ رحم کرے)۔
دوسری بات شیخ صاحب یہ فرمارہے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عربی کا نہ ہو، یا اس عربی کا ہو جس کی زبان میں مکسچر ہو گیا ہو اور اس مکسنگ (Mixing) کی وجہ سے اس نے یہ معنی بیان کیا ہے جو معنی قرآن کے معنی سے بالکل الگ ہے اور مخالف ہے۔
(۳) تیسری بات شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ جو شعر میں بات آئی ہے کہ "استوى بشر على العراق": استویٰ کا معنی استولیٰ بھی اگر بیان کیا ہے تو اُن کے پاس ایک قرینہ ہے اور قرینہ یہ ہے یعنی بشر جب قابض ہوا عراق پر کیا اوپر اڑتا رہا؟ یعنی "استوى" ہم کہتے ہیں بلند ہوا اور قرار پایا، یہ معنی جو ہے جب کوئی شخص کسی جگہ پر یا کسی ملک پر یا شہر پر قابض ہوتا ہے اور لفظ استویٰ بھی اگر بیان کوئی کرتا ہے تو اس سے استولیٰ کا معنی لازمی آتا ہے یا اس کے استولیٰ کے معنی کی ایک وجہ بنتی ہے کہ یہی معنی ہے کہ قابض ہوا ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ جہاز بھی نہ ہو تو اوپر وہ اڑتا رہے! معنی یہ ہے ہی نہیں اصل میں۔
تو سیاق اور سباق سے یہ معنی لازم آتا ہے کہ قابض ہوا ہے جبکہ لفظ استولیٰ ہونا چاہیے تھا، اگر ہم مان بھی لیں تنزلاً کہ یہ شعر موجود ہے اور عربی کا بھی ہے: (۱) پہلی تو بات ہے کہ شعر ہے نہیں۔ (۲) اچھا شعر ہے کس کا ہے پتہ نہیں ہے۔ (۳) پتہ چل گیا ہے ہو سکتا ہے عربی نہ ہو۔ (۴) چوتھی بات کہ چلو مان لیا ہے کہ عربی کا شعر ہے اور کسی عربی نے ہی کہا ہے اس کے پاس کوئی سبب تو ہے نا استوى کو استولیٰ کرنے کا کیا سبب ہے؟ قرینہ ہے۔ قرینہ کیا ہے؟ کہ جب آپ کسی ملک کو فتح کر لیتے ہیں قابض ہو جاتے ہیں کہ نہیں؟ تو قابض ہونے کو استوى اگر کہہ دیا ہے تو اس کے پاس وجہ تو ہے۔ قبضہ ہوا ہے نا یہ تو نہیں کہ اوپر اڑتا رہا ہے جب جہاز بھی نہیں تھے کچھ بھی نہیں تھا! بلندی کا معنی آتا نہیں ہے اس میں لیکن قابض ہوا وہ تو بلند تو ہوا نا۔ قابض ہونے میں بلند کا معنی آتا ہے لیکن انہوں نے بلند کے معنی کو چھوڑ کو صرف قابض کا معنی لیا ہے۔
ہمارا جھگڑا کیا ہے؟ کہ ایک تو یہ معنی ہے ہی نہیں، اگر اس کو مان بھی لیں تو یہاں پر قابض کا معنی اس شعر میں تو ممکن ہے لیکن قرآن اور سنت میں کیسے ممکن ہے جب دلائل موجود ہیں؟! ((واضح ہے؟))۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ تو ہم تنزلاً کہہ رہے ہیں (یعنی اگر اُن کی بات مان بھی لی جائے کہ یہ ثابت ہو گیا سارا کچھ اور شاعر بھی پتہ چل گیا، عربی بھی پتہ چلا گیا، تب ہم کہتے ہیں کہ اس کا یہ معنی ہے) ورنہ اس کا اور بھی ہمارے پاس جواب ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کیونکہ علو جو ہے دو قسم کا ہے (بلند ہونا):

1-ایک حسّی ہے (محسوس) کہ جیسے "کاستواء علی السریر"(یعنی تخت پر بیٹھ گیا (تخت کے اوپر بیٹھ گیا))۔

2-اور دوسرا ہے معنوی (معنی کے اعتبار سے) جس میں قابض ہونے اور غلبے کا معنی موجود ہوتا ہے (اسے بھی علو کہتے ہیں جب کسی ملک پر قابض ہوتا ہے اس پر بلند ہوتا ہے کہ نہیں؟ اپنی طاقت سے اس کے اوپر ہوتا ہے کہ نہیں؟ یہ معنوی طریقہ ہے، یا اس کا معنی جو ہے)۔

تو جب یہ اگر شاعر نے کہا بھی "استوی بشر علی العراق": یعنی اس میں علو غلبے کے اعتبار سے بھی غالب ہونے کا معنی موجود ہے۔

عام لفظوں میں "استویٰ" غلبے کو کہتے ہیں اور غلبے کے لفظ میں بلندی کا معنی پایا جاتا ہے کہ نہیں؟ پایا جاتا ہے۔ تو اس سے مطلب یہ ہے کہ شاعر نے یہ شعر کہا تو اس کا معنی وہی ہے جو استويٰ کے لفظ میں موجود ہے (استویٰ کا معنی بھی "بلند ہوا" ہی معنی موجود ہے) کیونکہ جیسا کہ ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ جو ہے، یا "استوی عَلَى الكرسي" جو ہے (کہ کرسی پر بیٹھا) اور ملک پر قابض ہوا (کسی ملک پر) دونوں کے لفظ میں استويٰ آیا ہے: کرسی پر بیٹھنا تو حسّی، معروف ہے لیکن علو (بلند ہونا) کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے محسوس کہ جیسا کہ کوئی تخت پر بیٹھ گیا (محسوس ہے)، ایک ہے معنوی جو محسوس نہیں ہے معنی کے اعتبار سے بلند ہوا جیسا کہ قابض ہوا۔

تو بشر جب عراق پر قابض ہوا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر بلند ہوا ہے اور یہ معنی بھی اُسی کا ہے، قابض ہونے کا معنی بلند ثابت ہوا ہے۔

وہ کہتے ہیں استواء (استویٰ) میں بلندی کا معنی نہیں ہے غلبے کا معنی ہے: ہم کہتے ہیں اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ شعر بھی ٹھیک ہے پھر بھی استویٰ کا معنی بلندی کا معنی موجود ہے کہ نہیں؟ اور یہی معنی مراد ہے کہ نہیں؟

شاعر کے شعر میں بلندی کا معنی مراد ہے یا بِشر جا کر عراق کے اوپر بیٹھ گیا جیسا کہ کوئی شخص کسی کرسی پر یا تخت پر بیٹھتا ہے ؟! کیا خیال ہے ممکن ہے ؟!

آپ کسی گھر میں داخل ہوتے ہیں آپ گھر کی چھت پر اوپر جا کر بیٹھ جاتے ہیں کہتے ہیں کہ میں گھر پر غالب ہو گیا ہوں ؟ ایسے ہوتا ہے ؟! غلبے کے معنی میں بلندی ہوتی ہے کہ نہیں ؟

اگر آپ لوگ یہ معنی لیتے ہیں استولیٰ کا استواء (استویٰ) سے (توڑ پھوڑ جیسے بھی آپ نے لے لیا ہے) استولیٰ پھر بھی بلندی کی طرف ہی جاتا ہے پھر بھی استواء (استویٰ) کی طرف ہی جاتا ہے جس کا معنی اصل میں بلندی ہی ہے۔((واضح ہے ؟))۔

دوسری بات (پہلی بات ہو گئی): تمہارا یہ کہنا کہ استواء (استویٰ) کا معنی جو ہے اگر ہم کہیں کہ علو اور بلندی ہے تو اس سے جسم لازم آتا ہے (یہ انہوں نے کہا ہے نا!) اس کا جواب سنیں ذرا۔

اس کا جواب یہ ہے ایک قاعدہ ہمیشہ یاد رکھیں قاعدہ یہ ہے: کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں لازم ہے تو وہ حق ہے (جو چیز بھی قرآن مجید میں اور صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں لازم ہو جائے یا اِن سے لازم ہو جائے تو وہ حق ہوتا ہے ہمیشہ) اور ہمارے اوپر واجب یہ ہے کہ ہم اسے لازم پکڑیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ ثابت ہو کہ یہ لازم ہے قرآن اور سنت میں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ لازم نہ ہو لیکن جب یہ ثابت ہو جائے کہ لازم ہے تو پھر جو کچھ بھی لازم ہوا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر ہم اس کو پکڑ لیں اور اسے کہیں بھی۔

اور پھر ہم اُن سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جسم سے مراد کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے درست نہیں ہے ؟ وہ جسم کہتے ہیں نا اب جسم سے تمہاری مراد کیا ہے ؟ دیکھیں ایسا ایک عام سا لفظ ہے اس کا معنی صحیح بھی ہو سکتا ہے غلط بھی ہو سکتا ہے نا۔ جسم سے مراد کیا ہے ؟

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جسم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ذات نہیں ہے، یا صفات جو لازم ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں تو پھر تمہارا یہ قول باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات حقیقیۃ ہے اور اس ذات کی صفات بھی ہیں (صفات الکمال ہیں

یعنی)، یعنی اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں دو، آنکھیں ہیں دو، اور پاؤں بھی ہیں جو ثابت ہیں، تم چاہے جو بھی کہو جو لازم حق ہے وہ حق ہے۔

اور اگر تم یہ سمجھتے ہو اور تمہارا یہ ارادہ ہے تمہاری یہ سمجھ ہے کہ جسم سے مراد یہ ہے جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے یا ممتنع ہے کہ وہ جسم جو ہڈیوں سے گوشت سے اور خون سے بنا ہوا ہے اور جڑا ہوا ہے، یا اس طریقے سے کوئی اور معنی جو ہے تو یہ ممتنع ہے (ناممکن ہے) اللہ تعالیٰ کے لیے، اور یہ لازم بھی نہیں ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے تو اس علو سے مراد یہ جسم ہو۔((واضح ہے جواب؟))۔

میں پھر سے مختصر بیان کر دیتا ہوں: اہل بدعت نے یہ کہا ہے "کہ اگر ہم یہ مان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے (نعوذ باللہ)! کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی کسی چیز پر سوار ہوتی ہے یا کسی چیز سے اوپر ہوتی ہے تو پھر دونوں جسم ہوتے ہیں، جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو تخت نیچے ہوتا ہے بادشاہ اس کے اوپر ہوتا ہے اور جسم ہوتا ہے"۔

تو اس سے لازم آتا ہے تمہارے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا (عرش سے اوپر ہے) تو اس سے جسم لازم آتا ہے: تو اس کا جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ پہلے تو قاعدہ ہے ایک قاعدہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جو بھی چیز قرآن اور سنت میں ثابت ہوئی جو اس سے لازم چیز آتی ہے تو وہ حق ہے اسے قبول بھی کرنا چاہیے کیونکہ قرآن اور سنت میں ثابت ہو گئی ہے (لیکن ثابت ہونا لازمی ہے)۔

اب ہم نے کہا ہے ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ ثابت ہوا کہ نہیں؟ ثابت ہے۔ اب اس سے اگر لازم آتا ہے کہ جسم ہے تو پھر لازم ہو ہمیں کیا فرق پڑتا ہے لیکن جسم سے مراد کیا ہے؟ (یہاں پر ٹھہریں ذرا): اس لیے اس جملے سے لوگوں نے کیا کہا ہے (اہل بدعت نے)؟ "یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اور یہ جو وہابی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا جسم (نعوذ باللہ) قرار دیتے ہیں، اور جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے وہ کافر ہے"۔

یہاں پر کفر کے فتوے لگے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر اور کئی محدثین پر، ان علماء پر بھی وجہ کیا ہے؟ ذرا سمجھیں بات کو کیا کہہ رہے ہیں: لفظ "جسم" کا ہے (ہم لفظ کی بات کر رہے ہیں، حقیقی جسم یہ نہیں مخلوق کے جسم کی بات نہیں کر رہے لفظ جسم یہ جو تم بات کر رہے ہو) کیونکہ بعض اوقات آپ کے ذہن میں ایک بات ہوتی ہے اس تعبیر

غلط ہوتی ہے۔آپ نے لفظ کی تعبیر "جسم" کی اب جو تمہارے ذہن میں ہے وہ کیا بات ہے تاکہ اس کے مطابق آپ کو جواب دیا جائے؟

آپ لوگوں نے کہا کہ جسم لازم آتا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ جسم لازم نہیں آتا ہے(ہمارے نزدیک جسم لازم نہیں آتا ہے)اب تمہارے قول کے مطابق ہم تمہیں سمجھا رہے ہیں کہ جسم لازم کیوں نہیں آتا؟ جس کو تم جسم سمجھتے ہو وہ جسم ہے ہی نہیں اصل میں،اور اگر تم جسم سمجھتے بھی ہو کہ اس کے لیے جسم ہونا لازمی ہے تو ہونے دو ہمیں کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ قرآن اور سنت میں ثابت ہے تو ہم نے مان لیا ہے لیکن ہم جسم نہیں مانتے پھر بھی، جسم تم کہتے ہو تمہارے قول کے مطابق ہم کہہ رہے ہیں ورنہ ہم جسم پھر بھی نہیں مانتے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں وجہ کیا ہے؟

جسم سے مراد پھر کیا ہے تمہاری؟اگر تمہاری مراد یہ ہے جسم سے جس کی تم نفی کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کے حق میں کہ ناممکن ہے کہ جسم جو گوشت سے بنتا ہے جو ہڈیوں سے بنتا ہے جو خون سے بنتا ہے(جسم مخلوقات کا عام جسم جو ہم دیکھتے ہیں انسان کا، یا کسی جانور کا جسم آپ دیکھتے ہیں جسم یہی ہوتا ہے نا!)مخلوقات کے جسم اسی چیز سے بنتے ہیں نا،اگر یہ جسم مراد ہے تو ناممکن ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ہم بھی اس کو باطل کہتے ہیں بالکل غلط ہے یہ تو ناممکن ہے! یہ مخلوقات کے لیے جسم ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسے ہی پیدا کیا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے کوئی سوچ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایسا جسم ہو سکتا ہے؟!(نعوذ باللہ)،ناممکن ہے!

لیکن دوسری طرف اگر آپ دیکھیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ہیں اور صفات کمال ہیں اور ان صفات میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے، اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں، اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ہے، اللہ تعالیٰ کا پاؤں ہے، جیسا کہ ثابت ہوا ہے قرآن اور سنت میں۔اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور ان صفات سے جسم لازم آتا ہے اور تمہاری عقل جسم کے بغیر اس کو سمجھ نہیں سکتی تو پھر ہونے دو ہمیں کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ثابت ہے اور یہ صفات بھی ثابت ہیں قرآن اور سنت میں۔

تو اگر تم سمجھتے ہو کہ جسم ہے تو ہونے دو، اگر تمہارے قول کے مطابق ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ سے جسم لازم آتا ہے، اگر ہم کہتے ہیں کہ معنی بلندی کا ہے(بلند ہونے کے معنی میں جسم لازم آتا ہے)اور ہمارے نزدیک اللہ

تعالیٰ کی ذات اور اسماء وصفات یہ اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ کوئی بھی ذات اسماء وصفات کے بغیر ممکن ہے کیا خیال ہے؟ ناممکن ہے! ذات اسماء وصفات سے ہی ہوتی ہے، اور ذات پھر اسماء صفات بھی ہوتے ہیں۔

اس لیے تعطیل کیوں کی اُن لوگوں نے؟ صرف عرش کے بارے میں بات نہیں کر رہے اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں کہ نہیں؟ صفات کے منکر اسی لیے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس میں مشابہت آتی ہے، اس میں یہ لازم آتا ہے وہ لازم آتا ہے!

میں نے کہا کہ دیکھیں کتنی دور یہ لوگ چلے گئے ہیں مطلب بات بالکل آسان تھی!

صحابہ نے جب سنا کسی نے سوال نہیں کیا کہ عرش پر کیسے مستوی ہوا، جسم لازم آتا ہے، یہ یا وہ لازم آتا ہے کہاں تھا؟! ناممکن ہے!

اس لیے اگر یہ قول تم سمجھتے ہو کہ اس سے جسم لازم آتا ہے (قرآن اور سنت کے الفاظوں میں تم سمجھتے ہو) تو لازم ہونے دیں اور یہی اگر لازم ہے تو ہمیں ماننے میں کیا مسئلہ ہے مجھے بتائیں؟ ماننے میں کیا حرج ہے اس میں کوئی حرج ہے ماننے میں؟

اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور صفات ہیں، وہ کہتے ہیں جسم لازم آتا ہے (اُن کی یہ سمجھ ہے)، ہم کہتے ہیں کہ اگر لازم آتا بھی ہے تو ہونے دو ہمیں اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ لازم آتا ہے یا وہ لازم آتا ہے، ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسماء وصفات ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ تمہارے نزدیک اگر اس سے جسم لازم آتا ہے تو ہونے دو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا! لیکن ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ قرآن اور سنت میں ثابت نہیں ہے۔

اور قاعدہ یہی ہے اور ہم نے پہلے بھی کہا ہے سب سے پہلا قاعدہ کیا ہے اسماء وصفات کے باب میں؟ جو نام اور صفت ثابت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید اور صحیح حدیث میں اسے قبول نہیں کرتے ہم۔

پھر دوسری بات: وہ کہتے ہیں: "کہ حد کا ہونا لازم ہوتا ہے (یہ واضح ہو گیا نا جسم کا واضح ہو گیا) کہتے ہیں اس سے حد لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے"۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارا یہ جواب جو ہے حد سے مراد کیا ہے تمہاری؟ اگر حد سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل جدا ہے الگ ہے جیسا کہ ایک زمین کا ٹکڑا زید کا دوسرا زمین کا ٹکڑا عمرو کا ہے الگ الگ ہیں دونوں اور یہ حدود منفصلۃ ہیں تو یہ حق ہے اس میں نقص کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔

اگر حد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات سے الگ ہے عرش پر مستوی ہے، مخلوقات سے الگ ہے مخلوقات میں ملا ہوا نہیں ہے، مخلوقات کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے بالکل الگ ہے، مخلوق الگ ہے خالق الگ ہے، اگر یہ مراد ہے حد کی تو حد تو صحیح ہے پھر اس میں کیا غلط ہے؟! کچھ غلط ہے اس میں؟!

لیکن اگر تمہاری مراد یہ ہے حد سے کہ عرش محیط ہے اللہ تعالیٰ کو، تو یہ باطل ہے، اور یہ لازم بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اللہ تعالیٰ عرش سے بھی بڑا ہے اور تمام مخلوقات سے اللہ تعالیٰ بڑا ہے اور اس سے لازم نہیں ہے کہ عرش جو ہے اللہ تعالیٰ کو محیط ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ کوئی چیز بھی نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بڑا اور ہر چیز سے زیادہ عظیم ہے، اور تمام جو ہے زمین ہے اور تمام چیزیں جو ہیں مخلوقات جو ہیں اور آسمان وزمین جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں قبضے میں ہیں۔((یہ واضح ہو گیا؟))۔

تیسرا: اُن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ بھی بات بالکل غلط ہے یہ لازم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا یہ علو خاص ہے (ایک علو عام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بلندی پر ہے، ایک علو خاص ہے کہ عرش پر بھی اللہ تعالیٰ بلند ہے عرش سے بھی اوپر ہے)۔

عرش کے بغیر اللہ تعالیٰ اوپر ہے کہ نہیں؟ اوپر ہے۔ جب عرش نہیں تھا تب بھی اللہ تعالیٰ اوپر تھا؟ اوپر تھا۔ عرش ہے پھر بھی اوپر ہے۔ تو عرش کے ساتھ اوپر ہونے کے استواء کے معنی سے کیا مراد آتی ہے؟ کہ یہ علو خاص ہے (ایک علو عام ہے (ہمیشہ کے لیے) ایک علو خاص ہے (عرش کے ساتھ جڑا ہوا ہے یہ))۔

عرش سے بھی اوپر ہے اور عرش تمام مخلوقات میں سب سے اوپر ہے اور سب سے بڑی مخلوق عرش ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر عرش نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ گر جاتا (نعوذ باللہ)!

اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے اور عرش کا محتاج بھی نہیں ہے،اوراس سے تمہارا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے جیسا کہ مخلوق جب کسی تخت پر بیٹھتی ہے اور کرسی یا آپ تخت ہٹادیں تو گر جائے گا،وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب عرش پر مستوی ہے(جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے یعنی عرش پر اللہ تعالیٰ بلند ہے)اگر عرش نہ ہوتا تواللہ تعالیٰ گرجاتا(نعوذ باللہ)!یہ کس نے کہا ہے؟!

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بلند ہے، عرش سے پہلے بھی، عرش کے بعد بھی اور عرش ہو گا نہ ہو گا اللہ تعالیٰ ہمیشہ اوپر ہے ہمیشہ بلندیوں پر ہے۔اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے،اس سے یہ ہر گز مراد ہم یہ نہیں لیتے کہ عرش نے اللہ تعالیٰ کو اٹھایا ہوا ہے۔

دیکھیں فرق ہے دونوں میں: عرش پر مستوی ہونا، عرش پر ہونا، یا عرش سے اوپر ہونا، یا عرش پر بلند ہونا، کا معنی یہ ہر گز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج ہے، یا عرش نے اللہ تعالیٰ کو اٹھایا ہوا ہے۔فرق ہے نا!

تخت بادشاہ کو اٹھاتا ہے، جانور ہمیں اٹھاتا ہے جب سوار ہوتے ہیں اگر نہیں تو ہم گر جائیں گے کہ نہیں؟ عرش پر مستوی ہونے کا معنی یہ ہر گز نہیں ہے کہ عرش نے اللہ تعالیٰ کو اٹھایا ہوا ہے اور عرش نہ ہوتا ہو اللہ تعالیٰ(نعوذ باللہ) گر جاتا! یہ ہر گز معنی نہیں ہے!"یہ لازم ہوتا ہے" بات تو تمہاری عقلوں کی بیماری ہے یہ خلل تمہاری عقلوں کے اندر ہے تمہاری سمجھ میں ہے!

کیونکہ عرش کا جب اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ عرش کو آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔عرش خود محتاج ہے نا اٹھانے کا!دیکھیں فرق دیکھیں!

اللہ تعالیٰ کو عرش کی ضرورت نہیں ہے۔اچھا عرش کو ضرورت ہے کہ نہیں اٹھانے والے کی؟ عرش کو کتنے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے؟﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾(الحاقۃ:17):آٹھ فرشتے مقرر ہیں خاص عرش کو اٹھانے کے لیے کیونکہ عرش مخلوق ہے، عرش محتاج ہے کہ اسے کوئی اٹھائے،اللہ تعالیٰ خالق ہے(جل شانہ سبحانہ وتعالیٰ)وہ محتاج نہیں ہے کہ عرش اُسے اٹھائے!

عرش فرشتوں کے اوپر ہے کہ نہیں؟جب فرشتے اٹھا رہے ہیں تو عرش کہاں ہے؟میں نے کہا نا کہ عرش تمام مخلوقات سے سب سے اوپر والی مخلوق ہے سب سے بڑی مخلوق ہے جب اوپر ہے تو اس کے نیچے تو کچھ ہے نا! کیا ہے نیچے عرش

کے ؟فرشتے جنہوں نے اٹھایا ہوا ہے (آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے)۔تو عرش تو محتاج ہے فرشتوں کا اٹھانے کے لیے، اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے لیکن عرش کا محتاج نہیں ہے کہ عرش اللہ تعالیٰ کو اٹھائے کیونکہ یہ خالق مخلوق کا فرق ہے جو تمہیں سمجھ نہیں آرہا،اصل بات یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ محتاج ہے عرش کا نہ مخلوق میں سے کسی کا بھی محتاج ہے،اللہ تعالیٰ غنی ہے بے پرواہ ہے کسی کی پرواہ اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے۔((واضح ہوا جواب؟))۔

پھر شیخ صاحب نے آخر میں خلاصہ بیان کیا ہے میں پھر سے بیان کر دیتا ہوں کہ ان کا جواب جو ہے استویٰ کا معنی استولیٰ جو ہے:

1-پہلا قول اجماع کے مخالف ہے

2-دوسرا قول نص ظاہر کے مخالف ہے۔

3-عربی زبان میں جو ہے استویٰ استولیٰ کے معنی میں آیا نہیں ہے،اور جس شعر کو انہوں نے بیان کیا ہے اس کی کوئی سند نہیں ہے بغیر سند کے ہے۔

4-جو لوازم باطلہ تم لوگوں نے کہا ہے کہ "اس سے لازم باطلہ یہ آتا ہے کہ عرش کو اگر ہم یہ کہیں کہ استویٰ کو معنی استولیٰ ہے اور قابض ہوا یعنی عرش اللہ تعالیٰ کے قابض ہونے سے پہلے کسی اور کے قبضے میں تھا پھر مغالبہ ہوا پھر غلبہ ہوا اللہ تعالیٰ کا اور پھر اللہ تعالیٰ کے قبضے میں عرش آیا"،اور یہ بالکل باطل بات ہے ممکن نہیں ہے!

اور پھر ایک بڑا پیارا قصہ بیان کیا ہے کہ فطرتاً بھی انسان اپنے دل کے یقین سے یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے۔
اب فطری دلیل دیکھیں ایک پیارا قصہ ہے ابو المعالی الجوینی کا اور ابو العلاء الھمذانی کا۔

ابو المعالی الجوینی اُشعری ہیں اور اُشاعرہ جو ہیں آپ کو پتہ ہے کہ صفۃ العلو کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر نہیں ہے عرش پر نہیں ہے اس کی نفی کرتے ہیں،اور اللہ تعالیٰ علو الذات کی بھی نفی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے طور پر بلند ہے اس کا بھی انکار کرتے ہیں۔

وہ یہ کہتے ہیں:"کہ اللہ تعالیٰ جب تھا تو اور کچھ بھی نہیں تھا اور وہ ابھی تک ویسا ہے جیسا کہ تھا"۔

یعنی عرش کو بیچ میں سے نکال دیتے ہیں کہ عرش کا ذکر نہیں کرتے،اور اصل اس جملے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

تو ابو العلاء الھمذانی نے یہ کہا ہے(اس کے شاگرد تھے): یا استاد! یہ بات چھوڑ دیں ذرا عرش پر اور مستوی ہونے کی بات ذرا چھوڑ دیں(کیونکہ اس کی دلیل ہے قرآن وسنت میں جس کو وہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں) مجھے یہ تو بتائیں کہ جب ہم دعا کرتے ہیں جب کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا شخص کہتا ہے یا اللہ! اور دعا کرتا ہے تو دل میں یہ ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے بلند ہونے کی؟

(جب ہم کہتے ہیں یا اللہ! دل کس طرف جاتا ہے زمین کی طرف جاتا ہے یا آسمان کی طرف جاتا ہے؟ دعا مانگ کر دیکھ لیں آپ۔ جو بھی شخص اللہ تعالیٰ کو ماننے والا ہے اور دعا کرتا ہے(مسلمان ہے اللہ تعالیٰ کو ماننے والا ہے جب وہ دعا کرتا ہے) اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے ایک تو ثبوت ہمارے ہاتھ ہیں جو آسمان کی طرف اٹھتے ہیں یہ الگ بات ہے میں دل کی بات پہلے کر رہا ہوں کیونکہ ہاتھ دل کے تابع ہیں دل کس طرف جاتا ہے؟ ہمیشہ آسمان کی طرف ہمیشہ اوپر کی طرف دل جاتا ہے)۔

یہ ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے ہمیں؟ کیونکہ استاد بھی جو انکار کر رہا ہے ابو المعالی الجوینی کا دل بھی اسی طرف ہمیشہ اس کے دل کا یہی حال ہوتا ہے جب دعا کرتا ہے اس کا دل بھی بلندی کی طرف جاتا ہے۔ تو پھر جب یہ بات سنی ابو المعالی الجوینی نے اپنے سر پر ہاتھ مارتا رہا اس طریقے سے اور کہا: ”حيرني الهمذاني، حيرني الهمذاني!“(اس ہمذانی نے مجھے حیران کر دیا، مجھے حیران کر دیا!)۔ لا جواب ہو گیا کیا اس کے پاس جواب ہے؟!

دیکھیں یہ لوگ جو مخالفین ہیں اہل بدعت جو ہیں یہ نصوص کو نہیں مانتے یا اپنی کوئی تاویلیں تحریفیں پیش کر دیتے ہیں، فطرت کے بارے میں کیا ان کے پاس دلیل ہے اسے کیسے موڑ سکتے ہیں توڑ سکتے ہیں!

تو ایک ہی جواب تھا: ارے اس نے مجھے حیران کر دیا، حیران کر دیا! وہ لا جواب ہو گیا! اب دل کو کیسے روک سکتا ہے بلندی کی طرف نہ جائے؟!(سبحان اللہ)۔

اور یہ فطری دلیل ہے جس کا کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا، یہ بھی انکار نہیں کر سکتے(مخالفین بھی انکار نہیں کر سکتے) سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!

یعنی آپ جس ربّ کو کہتے ہیں کہ ہر جگہ موجود ہے فرش پر بھی ہے لیکن جب دعا مانگتے ہیں اس کی دو دلیلیں آپ خود ثبوت دے رہے ہیں کہ ایک دل آسمان کی آپ کا جاتا ہے، دوسرا ہاتھ بھی آپ نے اٹھائے ہوئے ہیں، کیونکہ جسم جو ہے دل کے تابع ہے آپ کا سَر بھی آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے، ہاتھ بھی آسمان کی طرف اٹھ جاتے ہیں اور دل بھی آسمان کی طرف ہی جاتا ہے۔

ایک فطرت ہے جو دل میں ہے اور اس کے تابع جو ہے یہ ہاتھ والی بات اور چہرے کی میں خود کر رہا ہوں یہاں پر نہیں ہے لیکن شیخ صاحب نے یہاں پر بات کی دل کی، یہ فطری دلیل ہے۔

میں یہ کہہ رہا ہوں اس کے زیادہ یعنی اس کے اوپر بھی اگر آپ دیکھیں کہ ہاتھ بھی (اور علماء البانی نے بھی بیان کیا ہے اور شیخ عثیمین نے اور جگہ پر بیان کیا ہے کئی جگہوں پر) ہمارے ہاتھ آسمان کی طرف کیوں اٹھتے ہیں؟ آپ نے کبھی دیکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے منکر ہیں یا بلندی کے منکر ہیں کبھی انہوں نے نیچے کر کے دعا مانگی ہے کسی کو دکھا دیں مجھے؟! نہیں دیکھیں گے آپ! چلو کبھی اس طرف ہاتھ کر کے مانگ لو یا سَر نیچے کر کے مانگ لو آپ ہمیشہ ہاتھ اوپر کیوں اٹھاتے ہیں؟! اوپر دیکھتے کیوں ہیں؟!

جب اللہ تعالیٰ فرش پر بھی ہے (نعوذ باللہ)، ہر جگہ آپ کے ساتھ بھی ہے، نیچے بھی ہے دائیں بھی ہے بائیں بھی ہے، اوپر بھی ہے نیچے بھی ہے تو کبھی دعا نیچے منہ کر کے ہاتھ کر کے کر لو، اُلٹے کر کے کر لو! کبھی دائیں طرف کر لو کبھی بائیں طرف کر لو! کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ نہیں کر سکتے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!

کیوں؟ کیونکہ ان کو پتہ ہے یقیناً کہ جس ذات سے وہ مان رہے ہیں وہ آسمانوں پر ہے اور عرش پر ہی ہے لیکن زبان سے نہیں مانتے کیونکہ لوازم باطلہ ان کے غلط عقیدے میں بیٹھ گئی ہیں اور غلط ذہن میں اور غلط فہمی کا شکار ہوتے ہوتے (نعوذ باللہ) بد عقیدگی کا شکار ہو گئے ہیں۔

یہاں پر اتنا کافی ہے اگلے درس میں ان شاءاللہ جو باقی چھ دلائل ہیں ان پر مختصر باتیں ہیں (لمبی بات ہو گئی آج کے درس میں) تفصیل مختصر میں نے کہا بیان ہو گئی ہے اگلے درس میں صرف دو چیزیں رہتی ہیں: باقی چھ آیات اُن کا ذکر اُن کی دلیل، اور کہاں پر ہیں یہ ثبوت، اور پھر استویٰ کا معنی جو ہے اگر عَلَی کے علاوہ بھی ہو کیا معنی ہوتا ہے کیونکہ استویٰ تین طریقے سے بیان ہوا ہے: استویٰ بغیر کسی حرف جَر کے، دوسرا عَلَی کے ساتھ، تیسرا اِلی کے ساتھ۔

عربی زبان میں   استویٰ تین طریقے سے بیان ہوتا ہے قرآن مجید میں یہی تینوں معنی بیان کروں گا میں موجود ہیں (یہ لفظ استویٰ کا) ﴿اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ تو ہم نے جان لیا (عَلَی کو تو آج کے درس میں ہم نے جان لیا) باقی دو ہیں ﴿اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ﴾ قرآن مجید میں ہے یہ بھی ہے، اور استویٰ بغیر الی کے بغیر عَلَی کے اس کا کیا معنی ہوتا ہے اگلے درس میں ان شاءاللہ بیان کریں گے۔ ((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (العقیدۃ الواسطیۃ.50) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio